دینی مدارس اوراصلاح: اصل مسئلہ

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو نیویارک میںہونےوالےایک حادثہ نے،جس کےذمہ دارافراد کا تعین یقین کےساتھ آج تک نہیںکیا جا سکا،اچانک مغرب و مشرق میںسوچنےکےانداز،تصوراتی خاکے(images (اور اندرونی و بیرونی حکمت عملی پرغیرمعمولی گہرے اثرات ڈالےہیں۔ اسلام اور مسلمان جو تقریباً نصف صدی کےخاموش عمل کےنتیجےمیں یورپ و امریکہ میںایک نمایاں تعمیری اور معتبر مقام حاصل کر چکےتھے، اچانک شبہ کی نگاہ سےدیکھےجانےلگے۔

دوسری جانب مسلمانوں کا مغرب کےبارےمیں یہ تاثر کہ وہاں وسعت فکر، رواداری، برداشت، قبولیت، معروضیت
کا فرد کسی اور ہونےلگا ثابت بےبنیاد پر طور عملی ،ہے جاتا کیا اختیار رویہ منصفانہ پر بنیاد کی صلاحیت اور (objectivity(
محض مسلمان ہونا اس کےمشتبہ اور ممکنہ دہشت گرد ہونےکےلیےکافی سمجھا جانےلگا۔ حتیٰ کہ خود مسلم ممالک میں جو شخص اپنی وضع قطع کےلحاظ سےقرآن و سنت سےقریب نظر آیا اسےاتنی ہی مشتبہ نگاہ سےدیکھا جانےلگا۔
ایک دوسرےکےبارےمیںتصوراتی خاکے(images (کی اس تبدیلی کےنتیجہ میںبین الاقوامی سطح پر جو عدم اعتماد اور شک کی فضاء پیدا ہوئی ہےاگر اسےیوںہی جاری رہنےدیا گیا تو یہ مزید بےشمار خطرات کےپیدا ہونےکا باعث بنےگا اور اگر حالات کی اصلاح خلوص نیت کےساتھ نہ کی گئی تو وہ ٹکراؤ، جس کی پیش گوئی سیموئیل ہنٹنگٹن نےکی تھی، اور جس کا آغاز دہشت گردی کےخلاف نام نہاد جنگ سےہو چکا ہے،مزید خطرناک صورت اختیار کر جائےگا۔
اس صورت حال سےنمٹنےکےلیےمغرب نےایک حکمت عملی وضع کرنےکےبعد اس پر عمل بھی شروع کر دیا ہے۔ لیکن مقام افسوس ہےکہ مسلم دانشور اور ارباب حل و عقد (اگر وہ کہیںپائےجاتےہیں) اس جانب سےبڑی حد تک مستغنی نظر آتےہیں۔ مغرب کی حکمت عملی دیوار کی تحریر کی طرح واضح ہے۔ امریکی سینیٹ کی ’گیارہ ستمبر‘ پر مقرر کردہ کمیٹی نےاپنی ۲۸ سفارشات میںسے۲۶ سفارشات میںجس حکمت عملی کی طرف اشارہ کیا ہےاس کا محور تعلیمی اور ابلاغی ذرائع سےامت مسلمہ کےذہن،بلکہ روح کو تبدیل کرنا ہے۔ جو کام برطانوی سامراج کےہرکارےلارڈ میکالےنےسیکولر اور غلامانہ نظام تعلیم کےنفاذ سےبرصغیر میںحاصل کرنا چاہا تھا اور جس کےنتیجےمیںاس خطہ میںایک پوری نسل ایسےتعلیم یافتہ افراد کی پیدا ہوئی جو شکل و صورت میںاپنےہم وطنوںکی طرح تھےلیکن اپنی فکر اور رہن سہن میں’’گورےصاحب‘‘ کا ایک چربہ تھے،بالکل اسی نہج پر ایک پُرامن ذہنی و روحانی انقلاب لانےکا منصوبہ امریکی فکری اور تحقیقی اداروںکی تجویز پر بنایا گیا ہے۔
مناسب ہو گا کہ اس پس منظر میںتین ایسی دستاویزات کا ذکر کر دیا جائےجو اس دیدہ دلیرانہ منصوبہ کی تفصیلات فراہم کرتی ہیں۔ یہ مطبوعہ معلومات کسی بھی صاحب علم سےچھپی ہوئی نہیںہیںکہ انہیںکوئی خفیہ سازش کہہ کر ٹال دیا جائےبلکہ یہ مطبوعہ شکل میںاور آگہی و معلومات کی شکل میںانٹرنیٹ پر بھی پائی جاتی ہیں۔
Cheryl جسے Strategies and Resources ,Partners :Islam Democratic Civil : پہلی تحریر کا عنوان ہے
(Think Tank(خانے دانش کےمشہور امریکہ،ہیں بھی اہلیہ کی زاد زلمےخلیل برائےافغانستان سفیر امریکی جو،نے Benard
Changing Minds Winning Peace: A New :ہے عنوان کا دستاویز دوسری ہے۔ کیا کےلیےتحریر RAND Strategic Direction for U.S Public Deplomacy in the Arab and Muslim World ایوان اسےامریکی اور ِ نمائندگان کےلیےایک مشاورتی حلقےنےتیار کیا ہے،جس کےسربراہ Dejerjian .P Edward ہیں۔ تیسری تحریر گو مختصر ہےلیکن اہم ہے،اسےبروکنگ انسٹی ٹیوٹ کےرکن Cohen Philip Stephen نےتحریر کیا ہےاور اس کا عنوان The Nation and the State of Pakistan اسے ہے۔The Washington Quarterly ء گرما موسم،نے۲۰۰۲ کےشمارےمیںطبع کیا تھا۔ کوہن نےاپنےمقالہ میںحالات کےتجزیہ کےبعد امریکہ کو یہ مشورہ دیا ہےکہ انفرادی حیثیت میںفوجی حکمرانوںسےقریبی تعلقات سےآگےبڑھ کر اسےتعلیمی اداروںاور تعلیمی مواد پر توجہ دینی ہو گی (صفحہ ۱۲۱)۔
دی کےلیےتجاویز نو تشکیل کی عملی حکمت الاقوامی بین کےبعد جائزہ میںتفصیلی Changing Minds Winning Peace
گئی ہیں۔ ان میںایک اہم تجویزیہ بھی ہےکہ تعلیم و تعلم سےوابستہ افراد،صحافیوںاور دیگر افراد کو امریکہ بلا کر مہمان داری اور علمی نشستوںکےذریعہ ان پر اثرانداز ہوا جائےاور امریکی اقدار و ثقافت کو تعلیم اور تعلیمی وظائف کےذریعہ مسلمانوںکےدل و دماغ میںاتار دیا جائے۔
تینوںتحریرات میںوضاحت اور بےتکلفی کےساتھ مسلمانوںکو چاربڑےگروہوں: روایت پرست،بنیاد پرست،سیکولر اور جدیدیت پسند میںتقسیم کر کےان کےالگ الگ تصور اسلام کا تجزیہ کر کےجو حکمت عملی تجویز کی گئی ہےاس میںسیکولر افراد کی حمایت،انہیںوسائل فراہم کرنےاور انہیںبطور نجات دہندہ project کرنےکا مشورہ دیا گیا ہے۔ اس میںبھی اس احتیاط کا تقاضا کیا گیا ہےکہ ہر فرد کی قدر وقیمت کےلحاظ سےاس کی حمایت کی جائےاور وسائل دیےجائیں۔ ساتھ ہی بعض روایت پرست گروہوںکو بھی اس غرض اور نیت کےساتھ حمایت فراہم کی جائےکہ وہ بنیاد پرستوںکا قلع قمع کر سکیں۔
اس سلسلہ میںایسےافراد کا پتہ لگانا اور انہیںجدید ذرائع کےاستعمال سےمدد دینےکا مشورہ بھی دیا گیا ہےتاکہ وہ زیادہ سےزیادہ افراد تک اسلام کی بےضر ر سی تعبیر،جس سےمغرب کو کوئی خطرہ نہ ہو،پہنچا سکیں۔ مثلاً Web کےذریعہ وہ اپنےخیالات سوالات و جوابات کی شکل میںدیںاور ایک جدید اسلام،جدید فقہ اور جدید فکر وجود میںآجائے۔

3 / 1

ایک اہم مشورہ یہ دیا گیا ہے کہ جدیدیت پسند حضرات سے نصابی کتب لکھوائی جائیں اور ان کتب کو اخراجات میں حصہ بٹاتے ہوئے ارزاں قیمت پر طلباء کو فراہم کیا جائے۔ جس طرح سابق سو ویت یونین نے ساٹھ کے عشرے میں کمیونسٹ فکر کو عالمی پیمانہ پر مختلف زبانوں میں کتابوں، رسائل اور علمی کتب کی اشاعت ِ کثیر کے ذریعہ اپنے مقاصد حاصل کرنے چاہے تھے، بالکل اسی طرز پر تجویز کیا گیا ہے کہ جدید اسلام کو جو مغرب کے لیے قابل قبول ہو، عوام الناس تک لے جایا جائے۔ اس ''نیک کام'' میں تعلیمی اداروں اور تعلیمی مواد کو بنیادی اہمیت دی جائے۔

پاکستان میں اس وقت جو لوگ اقتدار پر مسلط ہیں وہ اس پس منظر میں اپنے نام نہاد Moderation Enlightend کے دعوے کی بنا پر امریکی مفادات کے بہترین محافظوں کا کردار ادا کر سکتے ہیں اور اسی بنا پر امریکہ کی حکمت عملی کو مختلف عنوانوں سے پاکستان میں نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ماڈل دینی مدارس کا تصور، مدارس ِ دینیہ کے لیے ایک مرکزی با اختیار ادارہ کا قیام، مدارس میں کمپیوٹر کے علاوہ ایسے مضا مین کی تدریس جن سے دینی مدارس کے طلبہ طبعی اور سائنسی علوم سے آگاہ ہو سکیں اور اس طرح ان میں جدیدیت کا رجحان پیدا ہو سکے، جیسے اقدامات ان کوششوں کا حصہ ہیں۔ گویا شاہین بچوں کو ممولے بنانے کے لیے ایسے ماحول اور ایسی غذا سے ان کی پرورش کی جائے کہ ان میں خواہش پرواز اور جرأت پرواز ختم ہو جائے۔ اس کے بعد اگر وہ پرواز کرنا چاہیں تو شوق سے کر لیں۔ ظاہر ہے پر کٹنے کے بعد ان کی پرواز وہیں تک ہو گی جہاں تک گرگس کا جہاں پایا جاتا ہے یا جس حد تک ان کا صیّاد اجازت دیتا ہے۔

ماضی میں برطانوی سامراج نے بالکل اسی حکمت عملی کو اختیار کر کے لادینی تعلیمی نظام کے ذریعہ اپنے مفادات کا تحفظ کیا تھا اور برصغیر کے مسلمانوں کو ''روشن خیال اور مہذب'' بنانے کے لیے مغربی اقدار حیات کو اس خطہ میں متعارف کرایا تھا۔ تعلیم کے اس غیر محسوس طور پر ذہنوں کو تبدیل کرنے کے عمل پر اکبر الہ آبادی نے بہت صحیح کہا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا   افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ سنجیدگی کے ساتھ مسلم ممالک اور خصوصاً پاکستان کے حوالے سے ایک جامع تعلیمی حکمت عملی کے ذریعہ دانشوروں اور تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنی فکر اور تہذیب کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔ اس غرض کے لیے ایک شکل تو یہ ہو سکتی تھی کہ امریکہ پاکستان یا ایسے ممالک سے جہاں احیائے اسلام کی تحریکات پائی جاتی ہیں، ایک اچھی تعداد میں نوجوانوں کو تعلیمی سہولیات فراہم کرتا اور یہ نوجوان امریکہ جا کر وہاں کے ماحول میں گھل مل جاتے اور اگر اپنے ملک واپس آبھی جاتے تو امریکہ کے سفراء کی حیثیت سے۔ لیکن اس میں ایک یہ خدشہ ضرور رہتا ہے کہ جو طلباء تعلیم کے بہانے امریکہ میں داخل ہوتے، وہ کسی لمحہ دہشت گرد یا ان کے آلہ کار بن سکتے تھے! جبکہ پاکستان یا دیگر ممالک میں امریکہ کی پسند کا نصاب تعلیم رائج کرنے کی شکل میں سانپ بھی مر جاتا ہے اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹتی۔

اس حوالے سے جو اصلاحات تجویز کی گئی ہیں ان میں اولاً 'روشن خیالی' پیدا کرنے کے لیے مدارس کے نصاب میں سائنسی مضامین کی تعلیم کو لازمی قرار دینے کی قرارداد ہے۔ دوسرا اہم قدم یہ تجویز کیا گیا ہے کہ دینی مدارس کے اساتذہ کی تربیت کی جائے تاکہ ان میں سے ''بنیاد پرستی'' کو ختم کیا جائے اور وہ اپنے مدارس کو ''جہاد کی فیکٹریاں'' نہ بننے دیں۔ اس کے ساتھ تیسرا کام مدارس کے لیے ایسی جدید کتب کی تالیف و تصنیف ہے جو انہیں ''خطرناک'' نہ بننے دیں اور صلح پسندی، امن اور خاکساری کی تربیت دیں۔

انٹرنیشنل کرائسس گروپ نے اپنی خصوصی تحقیقی رپورٹ میں مدارس کی اصلاح اور شدت پسندی کے خاتمہ کے لیے جو تجاویز دی ہیں ان میں مندرجہ بالا امور کے ساتھ مدارس کے مالی ذرائع و وسائل کی نگرانی، جانچ پڑتال اور ایسے مدارس کی سرپرستی اور انہیں مالی امداد فراہم کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے جو امریکہ دشمنی کے مرتکب نہ ہوں اور یورپی اقوام کی حکمت عملی کی حمایت کرنے پر آمادہ ہوں۔ یہ بھی تجویز کیا گیا ہے کہ حکومت پاکستان ایسے مدارس کو جہاں ''جہادی'' ثقافت کے جراثیم پائے جاتے ہوں، خلاف قانون قرار دے کر بند کر دے۔

تکرار کے ساتھ یہ بات بھی کہی جا رہی ہے کہ مدارس کم عمر نوجوانوں کو جذباتی طور پر ابھار کر ''فدائیان ِ اسلام'' تیار کر رہے ہیں جو نتائج سے بے پرواہ ہو کر ''خودکش حملوں'' کے ارتکاب میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتے۔

یہ انقلابی جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال سے بھی واقفیت رکھتے ہیں حتیٰ کہ انٹرنیٹ کے ذریعہ چندہ جمع کرنے اور پیغامات لے جانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کا کوئی ایک جغرافیائی وطن نہیں ہے بلکہ یہ دنیا کے کسی بھی خطے میں جہاں ان کی قیادت انہیں حکم دے بلاجھجک چھلانگ لگا کر پہنچ جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ایک متحرک خطرہ ہیں اور مدارس ان کی اصل تربیت گاہیں ہیں۔

پندرہ سو سالہ تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو دینی مدارس کا اصل میدان مسلمانوں کی علمی و فکری قیادت نظر آتا ہے۔ یہی مدارس تھے جنہوں نے شبلی اور سید سلیمان ندوی جیسے مورخ وعالم، شاہ ولی اللہ جیسے فقیہ، شاہ عبدالحق جیسے محدث اور انور شاہ کشمیری جیسے متکلم پیدا کیے۔

اس شک و شبہ اور مخالفت کے ماحول میں مدارس کا مستقبل کیا ہے؟ کیا نصابی تبدیلی فی الواقع مدارس کے طلباء کو روشن خیال

دینی مدارس اوراصلاح: اصل مسئلہ

بنا دےگی؟ کیا سرکاری مدارس و جامعات،جہاںنہ کوئی شیخ الحدیث جہاد کی تعلیم دیتا ہو،نہ طلباء کو اسلحہ کےاستعمال کی تربیت دی جاتی ہو،ایسےافراد پیدا کرنےمیںکامیاب ہوںگےجو دین کی مغربی تعبیر و تفسیر کےماہر ہوںاور امریکہ نواز بھی ہوںیا امریکہ کی حالیہ خارجہ پالیسی اور اس کا مسلمانوںکےساتھ منفی اور تفریق کرنےوالا طرزعمل،ان طلباء کو بھی جو مدارس سےوابستہ نہیںرہے،امریکہ کی مخالفت پر آمادہ کر دےگا؟
جہاںتک مدارس دینیہ کےردعمل کا تعلق ہے،انہیںتین اقسام میںبانٹا جا سکتا ہے۔ پہلےوہ مدارس جو امریکہ کےعزائم کا پورا علم رکھتےہیںاور جو مقامی مخیر افراد کےتعاون سےفروغِ دین و علم میںمصروف ہیں،ہم گمان کر سکتےہیںکہ وہ اپنےطرزعمل میںکوئی تبدیلی نہیںکریںگے۔ وہ مدارس جو بیرونی مالی تعاون پر چل رہےتھےاور جن کا مسلکی تعلق بیرون پاکستان بعض معروف مکاتب فکر سےتھا وہ اس حکمت عملی سےمتاثر بھی ہوںگےاور انہیںاپنی سرگرمیوںکو محدود بھی کرنا ہو گا۔ ایک بہت قلیل تعداد ایسی بھی ہو گی جو اس موقع سےفائدہ اٹھاتےہوئےحکومتی امداد کا خیرمقدم کرےگی اور بعض معاملات میںحکومت کی پالیسی کی حمایت بھی کرےگی۔ ایسےمدارس ہر سیاسی دور میںاپنےموقف پر نظرثانی کرنےمیںکوئی تردد محسوس نہیںکرتے۔ نتیجتاً معاشرہ میںان کا مقام وہ نہیںہوتا جو کلمہ حق کےلیےقربانی دینےوالوںکا ہوتا ہے۔ حکومت کےزیرسرپرستی جو ماڈل مدارس قائم کیےجائیںگےان کو مالی وسائل کی تو کوئی کمی نہ ہو گی لیکن انہیںاپنی غیرجانبدار حیثیت تسلیم کرانےمیںانہیںخاصا وقت لگےگا۔ اگر حسن اتفاق سےانہیںایسےاساتذہ مل گئےجو علمی حیثیت سےاور اللہ سےاپنےتعلق میںمثالی ہیں،جب تو وہ مدارس کوئی مقام پیدا کریںگےورنہ جس طرح دیگر سرکاری ادارےجوںتوںاپنا فرض پورا کرتےہیںیہ بھی طلباء کی ایک محدود تعداد کو اپنےخیال میں’’روشن خیال‘‘ بنانےمیںکامیاب ہو جائیںگے۔
اگر اصل مسئلہ دہشت گردی کا خاتمہ ہےتو وہ مدارس کےنظام کو تباہ کرنےسےحل نہیںہو گا۔ اس کےاسباب واضح ہیں: امت مسلمہ کےساتھ ظلم و استحصال کا رویہ،تحریکات آزادی کےکارکنوںکو اذیتیںدےکر شہید کرنا اور حق خودارادی کو پامال کرتےہوئےکشمیر،فلسطین،چیچنیا اور عراق میںامریکہ کی ریاستی دہشت گردی اور جارحیت کا اندھا دھند نفاذ۔ جب تک اس صورت حال کو تبدیل نہیںکیا جائےگا شدت پسندی میںاضافہ ہی ہو گا۔
یہ بات پاکستان کےحکمران طبقہ کو سمجھ لینی چاہیےکہ اگر سرکاری تعلیمی اداروںکےنصاب سےدینی عنصر کو خارج کیا گیا اور اس کی جگہ لادینی تصورات کو متعارف کرایا گیا تو اس طرح جو فکری اور اخلاقی خلاء پیدا ہو گا وہ لازماً معاشرہ میںشدت پسندی میںاضافہ کا باعث بنےگا۔ اسی طرح اگر دینی مدارس کےنصاب میںجہاد،امربالمعروف،اور اعلائےکلمۃالحق سےمتعلق قرآنی آیات و احادیث کو خارج کر بھی دیا جائےتو مسئلہ حل نہیںہو گا کیونکہ قرآن و سنت سےامت مسلمہ کا تعلق صرف دینی مدارس کےطلبہ کی حد تک نہیںہے۔ اس عظیم کتاب کا کم ازکم ایک نسخہ ہر گھر میںپایا جاتا ہےاور اگر اس کتاب ہدایت کو اس کےصحیح مفہوم و مدعا کےساتھ سرکاری،غیر سرکاری اداروںمیںنہ پڑھایا گیا تو نیم عالم حضرات جس طرح چاہیںگےعوام الناس کو اس کی آیات کےحوالےسےاپنےمقاصد کےلیےاستعمال کرتےرہیںگے۔ اس لیےقرآن کریم کی تمام تعلیمات بشمول جہاد اور اعلائےکلمۃالحق و دعوت و نصیحت کی تدریس ہی مسئلہ کا حل کر سکتی ہے۔
یہ ایک نہ قابل تردید حقیقت ہےکہ عربوںکےقبائلی عناد،دشمنی اور عصبیت جاہلیہ کا علاج اگر کوئی نسخہ کر سکا تو وہ صرف قرآن و سنت کی تعلیمات ہی تھیں۔ آج بھی امت مسلمہ کا تعلق قرآن سےجتنا قریب ہو گا اس میںاخوت،محبت ،تعاون،امن اور صلح کی صفات اسی قدر زیادہ پیدا ہوںگی۔
ملکی مفاد اور سلامتی کےنفاذ کا تقاضا ہےکہ نہ صرف دینی مدارس بلکہ سرکاری اور پرائیویٹ تعلیمی اداروںمیںبھی لازمی قرآنی تعلیم کو متعارف کیا جائےتاکہ لادینیت،عصبیت اور جاہل قومیت کی جگہ ہم ایک بامقصد،باوقار اور متوازن و عادل معاشرہ کی تعمیر کر سکیں۔ یہی بانی پاکستان قائداعظم کا تصورِ پاکستان تھا اور اسی مقصد کےلیےعلامہ اقبال نےاپنی فکر اور شعر کےایک ایک لفظ کو استعمال کیا تھا۔

3 / 3